سوڈان کے اندرونی حالات پر ایک نظر

زین الدین رکابی اسسٹنٹ ایڈیٹر روزنامہ المیثاق الاسلامی خرطوم

[زین الدین رکابی نے یہ مضمون خاص طور پر ماہنامہ ترجمان القرآن کے لیے ارسال کیا ہے۔ موصوف نے سوڈان کے جو حالات قلمبند کیے ہیں وہ ان کے عینی مشاہدات پر مبنی ہیں۔ وہ خود سوڈان کی سیاسی زندگی میں دخیل رہ چکے ہیں۔ اور اسلامی تحریک کی ترقی اور فروغ میں قابلِ قدر خدمات انجام دے چکے ہیں۔ روزنامہ المیثاق الاسلامی کے چیف ایڈیٹر رہے ہیں جسے موجودہ انقلابی حکومت نے بند کر دیا ہے۔ سوڈان کے موجودہ حالات پر ان کا یہ مضمون بڑا بصیرت افروز ہے۔ ادارہ]

سوڈان اور باہر کی دنیا کے سیاسی مبصرین کا یہ خیال تھا کہ اس ملک میں اسلامی شعور اور اسلامی تحریک نے سرکاری سطح پر بھی اور عوامی پیمانے پر بھی ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۹ء کے درمیانی عرصہ میں کافی ترقی کی ہے۔ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو سوڈان کی عوامی تحریک برپا ہوئی تھی جس نے جنرل ابراہیم عبود کی عسکری آمریت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ اور مئی ۱۹۶۹ء میں موجودہ انقلابی حکومت وجود میں آئی۔ ان چار سالوں کے اندر اسلامی بیداری اور اسلامی اثرات کو متعدد اسباب کی بنا پر پھیلنے پھلنے کا کافی موقع ملا۔ سیاسی مبصرین ذیل کے واقعات اور حقائق کو اپنے مذکورہ تاثر اور نقطۂ نظر کی تائید میں پیش کرتے تھے:

۱۔ ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۹ء کے درمیانی عرصہ میں یہاں ایک عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ یہ یونیورسٹی نہ صرف سوڈان کے اندر مرکزی حیثیت اختیار کرتی جا رہی تھی بلکہ پورے

افریقہ کے لیے امیدوں کا مرکز بننے والی تھی۔

۲۔ دستوری طور پر کمیونسٹ پارٹی کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا تھا اور ملک کے اندر اس کی سرگرمیوں پر شدید قدغن لگا دی گئی تھی۔ کمیونسٹ پارٹی کو خلافِ قانون قرار دینے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں علانیہ گستاخی کی تھی۔

۳۔ اسلامی تحریک خوب سرگرم ہو گئی تھی۔ اس کے ارکان اور حامیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تھا۔ پارلیمنٹ کے اندر بھی اس کے حامی پہنچ گئے تھے۔ اس نے ایک روزانہ اخبار بھی جاری کر لیا تھا جو سوڈان کا سب سے بڑا اور مضبوط اخبار سمجھا جاتا تھا۔

۴۔ سوڈان میں عالمِ اسلام کے بڑے بڑے متعدد رہنماؤں نے دورے کیے تھے، مثلاً انڈونیشیا کی ماشومی پارٹی کے رہنما ڈاکٹر محمد ناصر، جماعت اسلامی کراچی کے امیر چوہدری غلام محمد مرحوم اور الجزائر کے نامور اسلامی مفکر مالک بن نبی وغیرہ۔ ان حضرات نے سوڈان میں تقریریں کیں اور نوجوانوں کو اسلام اور اسلامی جہاد کی ترغیب دی۔ نوجوانوں کے اندر ان تقریروں نے غیر معمولی اثر کیا۔

۵۔ شمالی سوڈان اور جنوبی سوڈان کی تمام سیاسی پارٹیوں نے اس امر پر اتفاق کر لیا تھا کہ ملک کے لیے ایک متوازن اور معتدل دستور وضع کیا جائے جو ملکی اتحاد اور بنیادی آزادیوں کی ضمانت دیتا ہو۔ اور شریعتِ اسلامی کو قانون سازی کا ماخذ و منبع ٹھیراتا ہو، اور ملک کے اندر ایسی فضا پیدا کرے جس میں نئی نسل صحیح اخلاقی اور تعلیمی نشوونما حاصل کر سکے۔

۶۔ ۵ مئی ۱۹۶۹ء کو، یعنی موجودہ انقلاب کے برپا ہونے سے بیس روز پہلے تمام سیاسی پارٹیوں نے اپنے نمایندوں کو جو دستور ساز کمیٹی کے اندر موجود تھے، یہ تاکید کر دی تھی کہ وہ دستوری مواد سے متعلق اپنی بحث و تمحیص اور دوسرے ضروری اقدامات کو تیز تر کر دیں۔ دستور کے اعلان کے لیے دسمبر ۱۹۶۹ء کی آخری مدت بھی مقرر کر دی گئی تھی۔

دوسری جانب سوڈان کی سیاسی اور فکری سرگرمیوں پر نظر رکھنے والے یہ مشاہدہ بھی کر رہے تھے کہ سوڈان کے اسلام دشمن عناصر اسلامی اثرات کی ترقی سے چیں بجبیں ہو رہے ہیں، اور ان حلقوں

کو بھی طرح طرح کے اندیشے لاحق ہو رہے تھے جو باہر سے سوڈان کی بائیں بازو کی تحریک کی رہنمائی اور پشت پناہی کر رہے تھے۔ انہیں یہ پریشانی لاحق تھی کہ اسلامی تحریک کی رو تیز تر ہوتی جا رہی ہے اور سوڈانی قوم اُس کا تیز رفتاری کے ساتھ خیر مقدم کر رہی ہے۔ یہ حالات دیکھ کر کمیونسٹ اور ان کے انصار و اعوان ہر تدبیر سے اسلامی شعور کی مزاحمت پر تُل گئے تھے۔ لیکن مجموعی طور پر اسلام کے خلاف اُن کی یہ مذموم مہم کامیاب نہیں ہو رہی تھی کیونکہ عوام الناس اسلام کی حقیقت کو اور کمیونزم کی اصلیت کو بھی سمجھ چکے تھے اور انہیں کسی حد تک اندازہ ہو گیا تھا کہ کمیونزم اور سوشلزم کی اشاعت کے پس پردہ کیا کیا سیاسی اغراض پنہاں ہیں۔ لوگ اُس ملحد عنصر سے بھی روشناس ہو چکے تھے جو کمیونزم کو کمک سپلائی کر رہا تھا اور اُس کی سرپرستی کا فرض سرانجام دے رہا تھا۔ چنانچہ جب کمیونسٹوں نے اسلامی رَو کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پایا اور سوڈانی قوم کو وہ راہِ خدا سے منحرف کرنے میں خائب و خاسر ہو گئے تو ان تمام عناصر نے جن میں مقامی کمیونسٹ بھی شامل ہیں اور بلا بہر غیر کمیونسٹ بائیں بازو والے بھی، ناصر پرست بھی اور اُن کے بیرونی رہنما اور اساتذہ بھی، ملی بھگت کر لی اور یہ اسکیم تیار کر لی کہ وہ کسی طرح سوڈانی عوام کی اُن آرزوؤں اور امنگوں کو پامال کریں جو وہ ایک ایسے روشن مستقبل کی تعمیر کے لیے دلوں میں پروان چڑھا رہے ہیں جس میں اسلام کی حکمرانی ہوگی اور بنیادی حقوق کی مکمل ضمانت فراہم ہوگی اور ملکی وحدت کا استحکام ہوگا اور آئندہ نسلیں تباہی سے محفوظ رہیں گی۔ ان لوگوں کی یہ ناپاک چال ۲۵ مئی ۱۹۶۹ء کے انقلاب کی صورت میں کامیاب ہو گئی۔ یہ انقلاب اپنا چہرہ چھپائے بغیر صاف صاف عوام کے سامنے نمودار ہو گیا۔ اس کی فطرت اور اس کے رجحانات کو سمجھنے میں لوگوں کو کسی غیر معمولی کاوش کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ مزید برآں اس انقلاب نے ایسی عملی دلیلیں بھی فراہم کر دیں جن کی بنا پر لوگوں کو پختہ یقین ہو گیا کہ یہ انقلابی حکومت سراسر کمیونسٹ ہے خواہ وہ کوئی سا نعرہ اختیار کرے۔

اس انقلابی حکومت نے کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا جس میں اُس نے اسلام کے خلاف اپنے ناپاک عزائم کو نافذ نہ کیا ہو۔ چنانچہ انقلابی حکومت نے اپنی اسلام دشمنی کی ابتدا وزارتی کابینہ میں

کمیونسٹوں کو داخل کرنے سے کی۔ ۲۴ وزیروں کی مجلس میں ۱۰ وزیر کمیونسٹ لیے گئے۔ وزیر اعظم ڈاکٹر بکر عوض اللہ بھی کمیونسٹ تھا۔ یہ آج کل جعفر نمیری کا نائب ہے اور الحاد پسندی میں خاصی شہرت رکھتا ہے۔ ہر مذہبی چیز سے اس کو انتہائی عداوت ہے۔ باقی وزراء گو کمیونسٹ نہ تھے لیکن ان سب کا تعلق بائیں بازو سے تھا۔ یہ تو اختیارات کی تقسیم سے متعلق ہوا لیکن نظریاتی اور سیاسی پہلو سے انقلابی حکومت نے اسلام کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا اُس سے اُس کی اسلام دشمنی کھلا ثابت ہوتی ہے۔

انقلابی حکومت نے اُم دُرمان کی اسلامی یونیورسٹی کو کلیۃً بند کر دیا جو افریقہ میں سب سے بڑا اسلامی ادارہ تھا۔ اسلامی دستور منسوخ کر دیا گیا۔ جعفر نمیری نے اسلامی دستور کی تنسیخ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "یہ ایک عظیم اور دُور رس انقلابی فیصلہ ہے جسے انقلابی حکومت نے بروقت سرانجام دیا ہے"۔ علیٰ ہذا القیاس انقلابی حکومت نے اسلامی تحریک کے داعیوں کو خاص طور پر اپنا نشانہ بنا لیا اور انہیں جیلوں اور حوالاتوں میں بھرنا شروع کر دیا۔ یہ لوگ آج سینکڑوں کی تعداد میں جیلوں کے اندر موجود ہیں۔ ثانوی اسکولوں میں اسلامیات کے مضامین کو خارج کر دیا گیا۔ سوڈان کی یونیورسٹیوں اور ثانوی اسکولوں میں مارکسزم کی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی۔ انقلابی حکومت نے معاشرے کے اندر طبقاتی جنگ کی طرح ڈال دی اور ہوبہو اس فلسفے پر عملدرآمد شروع کر دیا جو طبقاتی کشمکش برپا کرنے کے لیے مارکس نے بیان کیا ہے۔

تمام سوڈانی قوم نے ماسوائے اُن کمیونسٹوں اور بائیں بازو والوں کے جن کو فوج میں اثر و رسوخ حاصل ہے حالیہ انقلاب کی شدید مخالفت کی ہے اور پہلے ہی اُس کی مخالفت کا علم بلند کر دیا کیونکہ یہ انقلاب غیر دستوری اور آمرانہ ہے۔ مختلف قومی میدانوں کے اندر جوں جوں انقلابی حکومت کے ناروا تصرفات اور مستبدانہ اقدامات اور غیر اسلامی فیصلے وجود میں آتے گئے۔ ردّ عمل کے طور پر انقلابی حکومت کی مخالفت زیادہ نمایاں ہوتی گئی اور اس کی طاقت میں زیادہ اضافہ ہوتا گیا۔ اوپر ہم یہ بتا چکے ہیں کہ عوام کی مخالفت کا ایک اہم سبب انقلابی حکومت کے ملحدانہ نظریات اور اُس کی

اسلام دشمنی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ سیاسی طور پر بھی اس انقلاب نے ایسے ناروا اقدامات کیے جن کی بنا پر اسلامی عناصر کے سوا دوسرے تمام سیاسی لوگوں کے لیے بھی اِس انقلاب کی مزاحمت کرنا فرض ہو گیا، کیونکہ مسئلہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ انقلابی حکومت کی عقل و ہوش سے عاری سیاست کہیں پورے ملک کو تباہ و برباد کر کے نہ رکھ دے۔

یہ بات تمام باخبر لوگوں کو معلوم ہے کہ جنوبی سوڈان کے مسئلے نے سوڈان کو طرح طرح کی مشکلات میں گرفتار رکھا ہے اور یہ مسئلہ سوڈان کی ترقی اور خوشحالی کے راستے کا روڑا بنا چلا آ رہا ہے۔ بڑی تگ و دو اور شدید جانفشانی اور صعوبت کے بعد شمالی سوڈان اور جنوبی سوڈان کے سیاسی لیڈر اس مسئلے کے بارے میں چند بنیادی اور جوہری سمجھوتوں پر متفق ہو گئے تھے۔ یہ سمجھوتے طویل المیعاد تھے اور یہ طے پا چکا تھا کہ انہیں ملک کے مستقل دستور کے اندر شامل کر لیا جائے گا اور یوں اس مسئلہ کا خاتمہ عمل میں لایا جائے گا۔ ان سمجھوتوں کی رُو سے ان لیڈروں نے یہ قرار دیا کہ قومی وحدت کی حدود کے اندر رہ کر صوبائی نظام قائم کیا جائے گا جس میں سوڈان کے موجودہ نو ڈویژن شامل ہوں گے۔ نیز یہ بھی انہوں نے طے کیا کہ جنوبی سوڈان کی ترقی پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ اور تمام مذاہب کے لوگوں کے شخصی حقوق کی دستور میں ضمانت دی جائے گی۔ تاکہ نہ مسلم اکثریت کی طرف سے کسی کے حق میں زیادتی ہو اور نہ عیسائی اقلیت کی طرف سے زیادتی کا موقع باقی رہے۔ انقلاب سے ۱۹ روز پہلے سوڈان کے شمالی لیڈروں اور جنوبی لیڈروں دونوں کی طرف سے ان سمجھوتوں کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا اور انہیں دستوری مسودہ میں بھی شامل کر دیا گیا۔ شمال اور جنوب کے لوگ مسئلے کے بہترین حل کی خوشی میں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے۔ مگر سوشلسٹ انقلاب نے ان تمام کوششوں پر یکایک پانی پھیر دیا اور اس جان لیوا مسئلے کو از سرِ نو چھیڑ دیا۔ انقلابی حکمرانوں نے جنوب کے حقیقی رہنماؤں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اور جنوب کے ایک کمیونسٹ کو جو خود جنوب کے اندر پچھلے انتخابات میں شکست فاش کھا چکا تھا امورِ جنوب کا وزیر بنا دیا۔ اس کے نتیجے میں وہی حوادث برپا ہوئے جن کی توقع تھی۔ جنوبی باشندوں نے ہتھیار اٹھا لیے اور از سرِ نو اپنے حقوق کا مطالبہ کھڑا کر دیا۔ عوام کے حقوق نہ صرف جنوب میں بلکہ شمال میں

بھی پامال کیے گئے۔ قومی اتحاد یکسر مجروح ہو گیا۔ اور ملک ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا۔

انقلابی حکومت کی دوسری بڑی حماقت فنی قابلیتوں کا ضیاع ہے۔ یہ بات محتاجِ وضاحت نہیں ہے کہ سوڈان ایک پسماندہ ملک ہے اور خام مال اور سرمائے سے زیادہ وہ فنی ماہرین کا محتاج ہے۔ سوڈان کے پاس فنی ماہرین کی اس قدر قلت ہے کہ وہ کسی نوع بھی ان سے مستغنی نہیں ہو سکتا بلکہ بعض پہلوؤں میں تو سوڈان آج تک خود کفیل نہیں ہو سکا ہے۔ مختصر یہ کہ سوڈان اگر ترقی سے ہمکنار ہونا چاہتا ہے تو اُسے فنی ماہرین کو دانتوں سے پکڑ کر رکھنا ہوگا۔ مگر موجودہ انقلابی حکمرانوں کو اپنے اقتدار کے سوا کسی اور پہلو سے قطعاً دلچسپی نہیں۔ ان حکمرانوں نے صرف اس بنا پر کہ وہ لوگوں کی وفاداری کو مشکوک سمجھتے ہیں لاتعداد اہلِ علم اور اہلِ فن کو ملک بدر کر دیا ہے۔ ہر سرکاری محکمے سے چُن چُن کر ایسے اشخاص کو نکالا گیا اور نکالا جا رہا ہے جن پر انہیں انقلاب کی مخالفت کا شبہ ہو جاتا ہے۔ یونیورسٹی کے اساتذہ، فاضل ترین جج، ماہرینِ تعلیم، ماہرینِ زراعت کی کثیر تعداد کو ملازمتوں سے محروم کر دیا گیا ہے اور انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ ان کی جگہ ایسے نااہل، ناکارہ اور شورش پسندوں کو بھرتی کر لیا گیا ہے جو تالیاں بجانا تو خوب جانتے ہیں مگر کام سے نابلد ہیں۔ اس کے نتیجے میں ملک کی رفتارِ یکدم رک گئی ہے اور اجتماعی زندگی اضطراب کا شکار ہو چکی ہے۔

ملک کے اندرونی معاملات میں ناصری حکومت اور روس کی طرف سے بھی کھلم کھلا دخل اندازی کی جا رہی ہے۔ ملک پھر اُن حالات سے دوچار ہو گیا ہے جو اینگلو مصری حکومت کے دور میں پائے جاتے تھے۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ سوڈانیوں نے اینگلو مصری اقتدار سے نجات پانے کے لیے اور وطن کو حقیقی آزادی سے ہمکنار کرنے کے لیے طویل جنگ لڑی ہے۔ اینگلو مصری حکومت کے خلاف سوڈانیوں کے اندر شدید نفرت اور غصہ پایا جاتا تھا اس لیے وطن کی آزادی و استقلال پر انہیں غیر معمولی خوشی اور فخر تھا۔ ان حالات میں جب کہ وہ آزادی کی فضاؤں میں سانس لے رہے تھے، یکایک انقلابی حکومت نے ملک کو ایک نئے دُہرے اقتدار یعنی رُوسی ناصری اقتدار کے قبضہ میں دے دیا۔ اب یہ نیا روسی ناصری اقتدار باہر سے سوڈان پر حکومت کر رہا ہے اور سوڈان کا ہر

باشعور شخص یہ جانتا ہے کہ تمام ملکی معاملات قاہرہ اور ماسکو کی طرف سے سرانجام دیئے جا رہے ہیں عین اس وقت جب رومانیہ یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ اپنی آزاد اور مستقل پالیسی پر چلنے کی تعمیر کریگا۔ اور روس کا بستۂ خوراک بن کر نہیں رہے گا جعفر نمیری یہ اعلان کرتا ہے کہ "سوڈان روس کو ودیعت کر دیا گیا ہے" اور "دنیائے عرب کی قیادت کا مرکز قاہرہ ہے"۔

سوڈانی عوام صاف صاف یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ان کے ملک کو بیرونی نفوذ کے آگے سرنگوں کیا جا رہا ہے۔ فوج اور سیکورٹی پولیس کے لیے ماہرین روس اور مصر سے منگوائے گئے ہیں اور انہیں عوام کو کچلنے اور وطن پسندوں کا قلع قمع کرنے کے پورے اختیارات دے دیئے گئے ہیں۔ خارجہ پالیسی میں روس اور ناصر کی علی الاعلان خیمہ برداری کی جا رہی ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ روس اور ناصر نے یہ سازش کی تھی کہ جدہ میں وزرائے خارجہ کی اسلامی کانفرنس کو سبوتاژ کیا جائے۔ چنانچہ سوڈان کے نمائندے نے اس کانفرنس کو ناکام کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اسی طرح تعلیم، پریس اور تجارت کے میدانوں میں بھی دوطاقتی حکومت (روسی مصری حکومت) کی ہدایات کے تحت عملدرآمد ہو رہا ہے اور سوڈانی باشندے یہ صورتِ حال صاف صاف دیکھ رہے ہیں۔ تجارت کا تو یہ حال ہے کہ اب سوڈان صرف روسی اور مصری سامان کی منڈی بن چکا ہے۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ روس اور مصر کا مالِ تجارت جو سوڈان میں بک رہا ہے نوعیت کے لحاظ سے انتہائی ناقص اور قیمت کے لحاظ سے انتہائی گراں ہے۔

سوڈان میں پچھلے دنوں جو خونریز واقعات رونما ہوئے ہیں اُن سے پہلے ہی سوڈانی عوام ایسے محرکات و جذبات سے بھرے ہوئے تھے جو انقلابی حکومت کے خلاف انہیں بھڑکا دینے کے لیے کافی تھے۔ لوگوں کے دل انقلابی حکمرانوں کے خلاف غیظ و غضب سے کھول رہے تھے۔ اس غیظ و غضب میں دو خطرناک اسباب نے مزید اضافہ کر دیا:

۱۔ اقتصادی حیثیت سے ملک مکمل دیوالیہ ہو گیا۔ کرنسی ختم ہو گئی اور حکومت کو سونے کے محفوظ ذخیرہ کے بغیر ہی کاغذی نوٹ چھاپنے پڑے۔ اشیائے صرف غائب ہو گئیں کیونکہ ایک طرف

درآمدات پرناقابلِ تصور کسٹم ڈیوٹی عائد کردی گئی اور دوسری طرف تاجروں نے کاروبار بند کر دیا۔حالات کو مزید اس بات نے خراب کر دیا کہ حکومت نے سرکاری ملازموں اور مزدوروں کی تنخواہوں میں بہت بڑی کمی کر دی۔اب ایک طرف تو دیسی ساخت کی اشیاء کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں کیونکہ اجنبی مال کی درآمد بند کی جاچکی تھی، اور دوسری طرف گوشت، بچوں کی غذا، کپڑے اور دواؤں کی قیمتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔چائے تو مارکیٹ سے بالکل ہی غائب ہو چکی ہے۔مکئی جو سوڈان کی بہت بڑی پیداوار ہے اس کی قیمت میں بھی چار گنا اضافہ ہو گیا۔تمام ترقیاتی منصوبے معطل ہو چکے ہیں اور لازمی سروسز کی اسکیمیں سرد خانے میں ڈالی جاچکی ہیں، کیونکہ حالیہ اشتراکی انقلاب نے ان منصوبوں اور اسکیموں کو مغربی امداد سے محروم کر دیا ہے۔اب صرف کمیونسٹ بلاک پر سارا انحصار ہے۔مگر اس بلاک کے وعدے بھی سراب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔کیونکہ پورا کمیونسٹ بلاک اور بالخصوص روس ہولناک اقتصادی بحرانوں سے دوچار ہے۔اس تباہ کن اقتصادی بحران کا سامنا کرنے کے لیے انقلابی حکومت نے ایک نرالا ہتھکنڈا استعمال کیا اور وہ یہ تھا کہ تنخواہوں میں اضافہ یا اشیاء کی قیمتوں میں کمی کرنے کے بجائے ایسے خونریز حوادث کو جنم دیا گیا جن کی وجہ سے لوگ اپنے معاشی مصائب بھول جائیں اور عسکری احکام کے چکر میں پڑ جائیں۔

۲۔دوسرا خطرناک سبب جس نے عوام کے غصے میں مزید اضافہ کیا وہ سہ طاقتی اتحاد کی تشکیل ہے۔یہ سہ طاقتی اتحاد جو مصر، سوڈان اور لیبیا پر مشتمل ہے گو "اتحاد" کے نام سے قائم کیا گیا ہے مگر سوڈانی عوام اسے بیرونی طاقتوں کی سازش سمجھتے ہیں۔سوڈانیوں کے نقطۂ نظر سے یہ موضوع انتہائی نازک ہے۔سوڈان کے لوگ مصر کی ناصری حکومت کے تجربات سے آگاہ ہیں۔یہ سہ طاقتی اتحاد ان کی نظر میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ جمال عبدالناصر کی حکومت جن شدید داخلی مشکلات میں گھری ہوئی ہے اُن کا حل نکالا جاسکے اور اس غرض کے لیے سوڈان کو قربانی کا بکرا بنایا جائے۔اِس "اتحاد" کا حاصل یہ نکلا ہے کہ عبدالناصر نے ۱۵ لاکھ مصریوں کو سوڈان کی طرف دھکیل دیا ہے۔یہ ۱۵ لاکھ مصری سویز اور پورٹ سعید کے باشندے ہیں۔اسرائیل نے ان کو وہاں سے نکال دیا ہے پہلے یہ قاہرہ کے کیمپوں

میں رہ رہے تھے۔ مگر قاہرہ کی گنجان آبادی ان کی متحمل نہ ہو سکی۔ اس لیے انہیں "اتحاد" کے پردے میں سوڈان بھیج دیا گیا ہے۔ اس اتحاد کا دوسرا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ سوڈان کی زرعی اراضی کو نقصان پہنچا کر مصر نے نیل کے پانی کی زیادہ سے زیادہ مقدار اپنے لیے مختص کر لی ہے۔ اور اس "اتحاد" کا تیسرا مطلب یہ واضح ہوا ہے کہ سوڈان کی قومی زندگی اور قومی روایات کو برباد کیا جا رہا ہے۔ سوڈانی قوم کے باہمی برادرانہ تعلقات کے تار و پود بکھیرے جا رہے ہیں۔ اس غرض کے لیے پریس کے وسائل کو استعمال کیا جا رہا ہے اور نظامِ جاسوسی کی نئی تشکیل کی جا رہی ہے۔ جس طرح دوسرے اشتراکی ممالک کے معاشرے برباد ہو چکے ہیں اور ان میں لوگوں کا باہمی اعتماد ختم ہو چکا ہے، وہی کچھ سوڈان میں کیا جا رہا ہے۔ اس پوری تباہی کے عوض جعفر نمیری کو چند جہاز اور جاسوسی کے ماہرین کا ایک گروہ دیا گیا ہے تاکہ اندرونی مخالفین سے اس کی حفاظت کی جا سکے۔

مصر اور سوڈان کے تعلقات کے نقطۂ نظر سے یہ صورتِ حال بہت نازک اور گہرے سیاسی اور اجتماعی اثرات کی حامل تھی۔ اسی وجہ سے امام ہادیؒ نے جمال عبدالناصر کے نام ایک بڑا زوردار اور تلخ مراسلہ بھیجا۔ امام ہادی اس وقت اپوزیشن لیڈر تھے اور ملکی آزادی کی راہ میں ان کے آباؤ اجداد نے جو خدمات سرانجام دی تھیں۔ اُن کی وجہ سے انہیں ملک کے اندر غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔ امام ہادی نے اپنے مراسلہ میں جمال عبدالناصر کو سوڈان کے بارے میں انتقامی سیاست اختیار کرنے پر متنبہ کیا اور اس سیاست کے نتیجے میں وادیٔ نیل کی دو قوموں کے درمیان تعلقات خراب ہو جانے کی ذمہ داری جمال عبدالناصر پر ڈالی۔ امام ہادی کے مراسلے کا ایک اقتباس یہ ہے:

"ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی اتحاد کا انکار نہیں کر سکتا۔ بحیثیت مسلمان ہم ایک اُمت ہیں۔ لیکن ہر شخص اِس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ سیاسی نفوذ و اثر کو جبراً دوسروں پر ٹھونسا جائے۔ آپ اِس جبر کو وحدت کا نام دیتے ہیں۔ ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ فوجی حکومت خواہ وہ مصر کی ہو یا سوڈان کی دونوں قانونی اور دستوری جواز سے محروم ہیں۔ دوسروں کے معاملات میں تو ہم دخل نہیں دیتے، لیکن جہاں تک ہمارا تعلق

ہے ہمارے ملک میں اس وقت جو فوجی حکومت قائم ہے وہ غیر دستوری ہے اور وہ سوڈانی عوام کی قطعاً نمائندہ نہیں ہے۔ اگر ملک کے اندر شہری آزادیاں بحال کر دی جائیں اور آزادانہ انتخابات کروا دیئے جائیں تو یہ اختلاف ختم ہو سکتا ہے۔ انتخابات کا جو نتیجہ بھی برآمد ہو ہم اُسے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ مَیں نے عرض کیا ہے کہ موجودہ نظام سوڈانی قوم کی قطعاً نمائندگی نہیں کرتا۔ دوسرے لفظوں میں اس حکومت کی طرف سے جو حکم بھی صادر ہوگا وہ قوم کی رائے نہیں ہوگی، نہ وہ قوم کے رجحانات اور مطالبات کا ترجمان ہوگا اور نہ وہ سوڈان کے دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات کی نوعیت طے کرنے کا مجاز ہوگا۔ نیز یہ نام نہاد اتحاد جو سوڈان اور مصر اور لیبیا کے درمیان قائم کیا گیا ہے اس کی بنیادیں سراسر ظلم پر قائم ہیں اور سوڈان کے مفادات کو پامال کرتی ہیں۔ لہٰذا مَیں اپنے ملک کی اپوزیشن پارٹیوں کی طرف سے ہر اُس قرارداد یا اقدام کو مسترد کرتا ہوں جو سوڈان کو غیر ملکی اقتدار کے آگے جھکاتی ہو خواہ اُس کے لیے کیسا ہی عنوان تجویز کیا گیا ہو۔ اس خطرناک اقدام کی جو "اتحاد" کے نام سے اٹھایا گیا ہے تمام تر ذمہ داری آپ پر ڈالتا ہوں۔ میرے نزدیک ہمارے ملک کی اور آپ کے ملک کی بہتری اس میں ہے کہ ہم معاملات پر غور و خوض سے کام لیں اور دُور رس نتائج کا گہرا مطالعہ کریں۔"

ناصری حکومت نے امام ہادی کے اس مراسلے کو فوراً جعفر نُمیری کو بھیج دیا اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کر دی کہ "امام کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے جو سوڈان کی حکومت کو خاطر میں نہیں لاتا اور اُس نے ریاست کے اندر ریاست قائم کر رکھی ہے۔" ناصر کے خط میں سوڈان کی انقلابی حکومت سے یہ وعدہ بھی کیا گیا؟ "امام ہادی کی طرف سے جو رجعت پسندانہ چیلنج دیا گیا ہے اُس کا قلع قمع کرنے کے لیے ہم انقلابی حکومت کی پُوری پُوری امداد دیں گے۔"

نُمیری اس وقت شامی صدر نورالدین آتاسی کی دعوت پر شام کے دورہ پر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ مگر اُس نے یکایک یہ دورہ منسوخ کر دیا اور سفید نیل کے علاقے کا دورہ شروع کر دیا تاکہ

وہاں چھیڑ خانی کی جا سکے، کیونکہ اس علاقہ کی اکثریت امام ہادی کی حامی ہے اور اسی علاقہ میں جزیرہ اَبا واقع ہے جو امام کی پناہ گاہ تھا۔ جعفر نمیری نے سفید تیل کے دورہ پر روانگی سے پیشتر ملک کے اندر ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا، فوج اور سیکورٹی پولیس کو تیاری کے احکام جاری ہو گئے، اور ناصر کے مشورہ کے تحت جزیرہ اَبا پر حملے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ ایک سازش کے تحت یہ افسانہ گھڑا گیا کہ نمیری پر چاقو سے حملہ ہوا ہے۔ یہ اُسی نوعیت کا افسانہ ہے جو جمال عبدالناصر نے مصر کے اخوان المسلمون کو ٹھکانے لگانے کے لیے گھڑا تھا۔

جزیرۂ ابا کے خونیں واقعات سے پہلے مصر کی انٹیلی جنس کا چیف امین ھویدی سوڈان پہنچ گیا تاکہ جزیرہ ابا پر حملے کے منصوبے میں شرکت کر سکے۔ نہایت قابلِ اعتماد ذرائع کا کہنا ہے کہ ھویدی نے جعفر نمیری سے کہا: "صدر عبدالناصر اور مصری فضائیہ کے افسران کی یہ خواہش ہے کہ ابا کی جنگ میں مصری فضائیہ کو نہایت مضبوط اور فیصلہ کن حصہ لینا چاہیے۔ ابا کی جنگ سویز اور سینا پر اسرائیل کے حملوں کا جواب دینے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔"

آخر کار جزیرۂ ابا کا محاصرہ کر لیا گیا، بکتر بند گاڑیاں اور پیادہ فوج گشت کرنے لگی اور خونریزی شروع ہو گئی لیکن الانصار جو جانفشانی میں مشہور ہیں بری جنگ کا انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور حملہ آوروں سے کچھ اسلحہ بھی چھین لیا۔ قوم کے قاتلین نے محسوس کیا کہ اس طرح کے ہتھیاروں سے الانصار کا سامنا کرنے کا انجام بہت بُرا ہوگا۔ چنانچہ اسی اثنا میں ہوائی جہازوں کے دستے متواتر پہنچ گئے جن کی قیادت روسی اور مصری اور عراقی ہوا باز کر رہے تھے۔ ہوائی جہازوں نے مکانات اور مسجدوں پر بمباری شروع کر دی، عورتوں اور بچوں کو نشانہ بنایا، اور ہزاروں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دوسری جانب سے بھاری بھرکم میدانی توپوں کے دہانے جزیرہ ابا پر کھول دیے گئے جو ۱۵ کلومیٹر کے فاصلے سے جزیرہ پر گولہ باری کرتی رہیں۔ ہوائی جہازوں نے امام کے ٹھکانے کو خصوصی نشانہ بنایا اور اُسے تباہ کر دیا اور امام اپنے مرکزی مقام کے اندر ہی شہید ہو گئے۔ یہ سفید جھوٹ ہے کہ امام حدودِ حبشہ کے پاس شہید ہوتے ہیں۔ انقلابی حکومت نے الانصار کو رسوا کرنے اور ان کے روحانی اثرات پر ضرب لگانے کے لیے یہ سراسر جھوٹا افسانہ تراشا اور دنیا میں پھیلایا ہے۔

خود دارالحکومت خرطوم میں بھی الانصار اور انقلابیوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ خرطوم کا ایک محلہ جس کا نام "ودنوباوی" ہے اور جس کی آبادی الانصار پر مشتمل ہے اس میں انقلابیوں کے دستے داخل ہوئے اور انہوں نے محلے کو گھیرے میں لے لیا۔ مگر الانصار نے اُس سب کو ختم کر دیا۔ حکومت کی طرف سے مزید کمک بھیجی گئی۔ مگر الانصار نے اُسے بھی ناکام کر دیا۔ آخر میں ٹینک بھیجے گئے جنہوں نے پورے محلے پر گولہ باری کر کے مردوں، عورتوں، بچوں اور مسجد وں الغرض ہر چیز کو اڑا دیا۔ اس محلے کے مقتولین کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔

یہ بات خصوصی توجہ کی مستحق ہے کہ عین اس وقت جب یہ خونین ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا مصر سے جمال عبدالناصر کے نائب انوار سادات اور لیبیا سے معمّر قذافی کے نائب عبدالسلام جلود خرطوم پہنچ گئے اور وہ مسلح افواج کے ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے رہے جعفر نمیری اور انقلابی کونسل کے ارکان ان کے ساتھ تھے۔

یہ راز کھلنے پر کہ اس جنگ میں نُمیری کے مفاد کی خاطر بیرونی طاقتوں نے دخل اندازی کی ہے عوام کے اندر انقلابی حکومت کے خلاف شدید نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ فوج کے بعض افسر بھی غیظ و غضب میں آ گئے۔ اور انقلابی حکومت خطرناک سیاسی اُلجھن سے دوچار ہو گئی۔ چنانچہ اُس نے پروپگنڈے کے کمیونسٹ اور ناصر پرست ماہرین کی خدمات حاصل کیں اور اس المیہ پر پردہ پوشی کے لیے پروپگنڈے کی تیز تر مہم جاری کر دی۔ چنانچہ یہ پروپگنڈا کیا گیا کہ اس جنگ میں صرف سوڈانی فوج نے حصہ لیا ہے، مصری فضائیہ اور روسی اور عراقی ہوا باز شریک نہیں ہوئے ہیں اور اُلٹا یہ کہا گیا کہ مخالفین نے ایک بیرونی طاقت کی امداد حاصل کی تھی۔ مگر سوڈانی عوام پر اس بے بنیاد پروپگنڈے کا کوئی اثر نہیں ہوا سوڈان کا ہر فرد سمجھتا ہے کہ بیرونی طاقتوں کے اشارے پر اور ان کی مدد سے نُمیری نے یہ سب کچھ کیا ہے۔

سوڈان کی اپوزیشن میں ہر سوڈانی شریک ہے ماسوائے کمیونسٹوں اور ناصر پرستوں اور بائیں بازو والوں کے۔ یہ تینوں عناصر بھی عوامی طاقت کے مقابلے میں اقلیت ہیں۔ سوڈان کی آبادی

۱۵ ملین (ڈیڑھ کروڑ) ہے۔ اور ان میں کمیونسٹوں اور بائیں بازو سے شغف رکھنے والوں کی تعداد ۶۰ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ ان میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو مصری یہودیوں کے شاگرد ہیں یا جنھوں نے مشنری مدارس اور مستشرقین کے اداروں میں تعلیم پائی ہے۔ ۱۹۶۸ء کے انتخابات میں یہ تناسب واضح ہو گیا تھا۔ پارلیمنٹ کی ۲۳۰ نشستوں میں سے کمیونسٹوں اور بائیں بازو والوں کو صرف ایک نشست پر کامیابی ہوئی۔ چنانچہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ موجودہ کمیونسٹ حکومت کی مخالف تمام قوم ہے۔ شمال کے لوگ بھی اور جنوب کے لوگ بھی۔ اس بات کو سیاسی پارٹیوں کے اثرات بخوبی واضح کرتے ہیں:

ا۔ اُمّہ پارٹی: یہ الانصار کی سیاسی تنظیم ہے اور الانصار کے علاوہ دوسرے محب وطن عناصر بھی اس میں شریک ہیں۔ صرف الانصار کی تعداد ۴ ملین (۴۰ لاکھ) ہے جن میں اکثر پیشہ زراعت پیشہ ہے اور تعلیم یافتہ طبقے اور تاجروں کے اندر بھی ان کے مضبوط حلقے ہیں۔ تاریخی طور پر الانصار وہ گروہ ہے جس نے مہدی سوڈانی کی دعوت پر لبیک کہا تھا اور ایک اسلامی ریاست کے قیام میں اُن کی مدد کی تھی اور بدعات و خرافات کے استیصال اور ملت کے اتحاد اور دنیائے اسلام کو غیر اسلامی اقتدار سے نجات دلانے کے لیے ان کی حمایت کی تھی۔ امام مہدی کے بعد امامت کا منصب پہلے ان کے جانشین عبداللہ التعائشی کو ملا، پھر مہدی کے بیٹے امام عبدالرحمٰن اس منصب پر فائز ہوئے۔ امام عبدالرحمٰن نے سوڈان کی آزادی میں سب سے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ امام عبدالرحمان کے بعد یہ منصب امام مہدی کے پہلے پوتے امام صدیق اور پھر دوسرے پوتے امام ہادی (جو اس جنگ میں شہید ہو گئے ہیں) کو ملا۔ امام صدیق اور امام ہادی دونوں بھائی تھے۔ امام ہادی مرحوم دینداری اور پاسِ عہد اور حق پر ثابت قدمی اور شجاعت و مردانگی میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ ان کی یہی خوبیاں اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو ان کے خلاف سازشوں پر اکساتی رہیں۔

۲۔ نیشنل یونینسٹ پارٹی۔ یہ سوڈان کی دوسری بڑی پارٹی ہے اور عددی قوت اور اثر و رسوخ کے لحاظ سے اُمّہ پارٹی کے بعد دوسرے درجہ پر ہے۔ اس پارٹی کے حامیوں کی تعداد بھی کثیر ہے۔ تاجروں،

مزدوروں اور ملازمین کے اندر اس کے اثرات زیادہ ہیں بعض زرعی علاقوں میں بھی اس کے حامی پائے جاتے ہیں۔ آزادیٔ وطن اور انگریز کے خلاف جہاد میں اس پارٹی کی خدمات بھی نمایاں ہیں۔ اسماعیل ازہری مرحوم اس کے صدر تھے۔ اسماعیل ازہری کی وفات کے بعد اس کی قیادت شریف حسین ہندی کے ہاتھ میں آئی۔ موجودہ انقلابی حکومت کے خلاف یہ اپوزیشن کا نہایت طاقتور اور جری نمائندہ ہے۔ انقلاب سے پہلے یہ وزیر خزانہ تھے۔ خود شریف ہندی کے اپنے ماننے والوں کی تعداد بھی نیلگوں نیل کے علاقے میں بے شمار ہے۔ شریف ہندی کا تعلق اُس گھرانے سے ہے جس نے مہدی سوڈانی کی امداد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

۳۔ اسلامک چارٹر فرنٹ: یہ وسیع و عریض محاذ ہے جس میں اخوان المسلمون کے علاوہ دوسری اسلامی تنظیمیں اور اسلام پسند افراد بھی شامل ہیں۔ محاذ کے اثرات کا خاص حلقہ تعلیم یافتہ طبقہ، ملازمین، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، مدرسین، علماء اور طلبہ ہیں۔ شمالی سوڈان اور جنوبی سوڈان میں بھی محاذ کے حامیوں کی کثیر تعداد ہے۔ ۱۹۶۸ء کے انتخابات میں محاذ نے جنوبی سوڈان میں بھی ایک نشست جیت لی تھی۔ محاذ کی قیادت ڈاکٹر حسن تُرابی کے ہاتھ میں ہے۔ ڈاکٹر ترابی اونچے پائے کے ماہر آئین ہیں۔ خرطوم یونیورسٹی کے لا کالج میں پروفیسر تھے۔ پھر لا کالج کے پرنسپل بنا دیئے گئے۔ ۱۹۶۴ء میں ڈاکٹر حسن ترابی ہی نے جنرل ابراہیم عبود کی فوجی آمریت کے خلاف انقلاب کا افتتاح کیا تھا اور فوجی نمائندوں کے ساتھ مذاکرات میں حصہ لیا۔ یہاں تک کہ فوج حکومت سے دست بردار ہو گئی اور ملک کے اندر جمہوری زندگی بحال ہو گئی۔ اس کامیاب تبدیلی کے بعد ڈاکٹر حسن ترابی کلیتہً سیاسی میدان میں کام کرنے لگے۔ ڈاکٹر ترابی نے خرطوم یونیورسٹی سے گریجویشن کیا اور اس کے بعد پیرس یونیورسٹی سے دستوری قانون میں ڈاکٹریٹ کیا۔ موصوف جدید علوم میں بھی نہایت عمدہ دسترس رکھتے ہیں، اسلامی علوم کا بھی گہرا مطالعہ حاصل ہے، اور سیاست میں بھی ید طُولیٰ رکھتے ہیں۔ عربی زبان کے علاوہ وہ انگریزی اور فرانسیسی کے بھی بہترین ماہر ہیں۔ اس وقت موصوف جیل میں بند ہیں۔ ان پر ابھی تک سرے سے کوئی الزام ہی نہیں لگایا گیا ہے۔

۴۔ جنوبی سوڈان کے مختلف عناصر: جنوبی سوڈان میں دو بڑی سیاسی پارٹیاں ہیں۔ ایک سانو پارٹی اور دوسری جنوبی محاذ پارٹی۔ یہ دو پارٹیاں ہی درحقیقت جنوب کی صحیح نمائندہ ہیں۔ اور یہ دونوں پارٹیاں دستور سازی، ملکی سالمیت اور جمہوریت کے مسائل پر شمالی سوڈان کی پارٹیوں سے مکمل اتفاق رکھتی ہیں۔

الغرض شمالی سوڈان کی تین بڑی جماعتوں اور جنوبی سوڈان کی دو بڑی جماعتوں سے سوڈان کی اپوزیشن عبارت ہے۔ دوسرے لفظوں میں موجودہ انقلابی حکومت اس وقت پوری قوم کے مقابلے میں کھڑی ہے۔ حق پرست اکثریت اور غاصب اقلیت کے درمیان ابھی تک شدید کشمکش برپا ہے۔ اور یہ نام نہاد انقلابی حکومت محض روس، مصر اور لیبیا کی مدد کے بل پر کھڑی ہے، ورنہ قوم میں اس کی کوئی جڑ نہیں ہے۔